خطبہ

جو

صادق ایجرٹن کالج ، بہاولپور کے

جلسہ تقسیم اسناد

میں پڑھا گیا

از

ڈاکٹر ذاکر حسین

۲۱ اپریل ۱۹۴۶ء

جناب صدر اور حضرات !

میں اپنے محترم کرم فرما عالی مرتبت وزیر صاحب تعلیمات (۱) اور اپنے عزیز دوست پیر زادہ صاحب (۲) کا دل سے شکر گذار ہوں کہ آپنے مجھے اس موقع پر یاد فرمایا اور اس جلسہ تقسیم اسناد میں اپنے فارغ التحصیل طلبہ کو مخاطب کرنے کا شرف بخشا۔ اس لئے اور بھی شکر گذار ہوں کہ اس دعوت نے پہلی بار ریاست بہاول پور میں حاضری کا موقع دیا، جس کے بیدار مغز حکمراں کے نام سے اس خاندان عباسی کی یاد تازہ ہے جس کی خدمت گذاری کو عدل و انصاف اور علم و حکمت کبھی فراموش نہ کرینگے۔ خدا انہیں اپنی مخلوق کی خدمت کی توفیق اور علم و حکمت کی دستگیری کی سعادت سے مالامال فرمائے۔ بغداد جدید (۳) میں آکر اگر اس بلدۂ مبارک کی یاد آئے تو کیا عجب ہے :

پڑی خاک ایتھنز میں جاں جہاں سے
ہوا زندہ پھر نام یوناں جہاں سے

جہاں برادر

حریم خلافت میں اونٹوں پہ لدکر
چلے آتے تھے مصر و یونان کے دفتر

وہ لقمان و سقراط کے در مکنوں
وہ اسرار بقراط و درس فلاطوں
ارسطو کی تعلیم، سولن کے قانوں
پڑے تھے کسی قبر کہنہ میں مدفوں

---

۱ عالی مرتبت میجر شمس الدین صاحب ۲ پیرزادہ عبدالرشید صاحب پرنسپل بہاولپور کالج ۳ یہ خطبہ بغداد جدید بہاولپور میں پڑھا گیا تھا۔

یہیں آکے مہر سکوت ان کی ٹوٹی
اسی باغ رعنا سے بو ان کی پھوٹی

اس خاندان خلافت اور اس فخرالبلاد بغداد کے ساتھ نسبت سے یہاں کی حکومت اور خصوصاً یہاں کے علمی اور تعلیمی کام کرنے والوں کی ذمےداری بہت بڑھ جاتی ھے۔ خدا انھیں اس کے اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، اور آپ سب کو بھی، اے عزیزان جواں همت! اس کا ولولہ اور اسکی همت عطا ھو کہ آپ اس بغداد جدید کو اس پرانے بغداد کا همسر بنانے کے لئے کمربستہ ھوجائیں۔ اس کے علمی شغف، اس کی بےتعصبی، اس کی وسیع‌الخیالی کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں اور اپنے بس بھر کچھ کر دکھائیں۔ تمدنی زندگی میں دیئے سے دیا یوں ھی جلتا رھا ھے۔ تعلیم و تربیت کی قلمرو میں تو ماضی کی تمام تحصیلات ذھنی آنے والی نسلوں کی میراث ھوتی ھیں۔ یہی ذھنی زندگی کے لئے بمنزلہ غذا ھیں، یہی ذھنی ارتقا میں بام ترقی کا زینہ۔ ماضی کی تحصیلات میں کہ سب کی سب کسی نہ کسی کاوش ذھنی ھی سے تو عبارت ھوتی ھیں، انسانی ذھن اپنی قوتوں اور توانائیوں کو سلا سا دیتے ھیں، چھپا دیتے ھیں، محفوظ کردیتے ھیں۔ جب کوئی دوسرا ذھن، جس کی ساخت کو اس ذھنی کاوش سے کچھ مناسبت ھو جس نے ذھنی قوتوں کو ان اشیاء تمدن میں بطور خزینہ چھپا کر محفوظ کیا ھے، ھاں، جب کوئی دوسرا ذھن ان اشیاء تمدن سے دوچار ھوتا ھے تو یہ پوشیدہ قوتیں آشکار، خوابیدہ توانائیاں بیدار ھوجاتی ھیں اور تربیت ذھنی کا کام انجام دیتی ھیں۔ اس لئے اگر تعلیم والے ماضی کی تحصیلات سے بیزاری ظاھر کریں تو سچ یہ ھے کہ وہ، شاید

بےجانے ، عمل تعلیم کی ماہیت سے بےخبری کا اقرار کرتے ہیں۔ تعلیم تو نام ہی ماضی کے ذہن معروض کو حال کے ذہن موضوع میں منتقل اور بیدار کرنے کا ہے۔

ہاں، اس سے کوئی یہ سمجھ لے کہ حال اور مستقبل ماضی کی تحصیلات سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے تو بڑی ہی بھول ہوگی، اس لئے کہ یہ تو ذہنی ارتقا کے سفر کو بیچ میں ہی قطع کردینا ہوا۔ ذہن بیشک ذہن کی پچھلی کاوشوں ہی سے تربیت پاتا ہے اور غذا حاصل کرتا ہے، لیکن جب تربیت پاچکتا ہے تو ذہنی تشکیلات کے بےشمار امکانات اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ قدامت پرستی اور جمود ذہنی اگر اس وسیع میدان کو تنگ کرنا چاہیں تو گویا ایک جوان حوصلہ‌مند فرس کو کولھو کا بیل بنانے پر اصرار کرتے ہیں۔ زندگی ہر دم نئے مسائل سے دوچار ہوتی ہے، اس کا دھارا ایک لمحے کے لئے کسی ایک مقام پر نہیں ٹھہرتا، حالات کا تغیر نئے انتظام چاہتا ہے، نئے اداروں کا مطالبہ کرتا ہے۔ ایک نئی کل کی ایجاد، ایک نئی قوت محرکہ کا انکشاف سارے نظام دولت آفرینی کو درہم برہم کردیتا ہے، تقسیم عمل اور تنظیم کار کے سارے نقشے پلٹ جاتے ہیں، زندگی کا ڈھنگ ہی اور ہوجاتا ہے۔ ایک نیا تصور حیات سیاسی اور معاشرتی زندگی کی بنیادوں تک کو ہلا دیتا ہے اور ایک نئی عمارت کی نئی داغ بیل ڈالنے پر مجبور کرتا ہے، ایک کلمہ پاک اپنی جڑوں کو ضمیر انسانی میں مضبوط جماکر اپنی شاخیں آسمان تک بھیج سکتا ہے، ایک اچھی زندگی کا اسوۂ حسنہ ہزاروں لاکھوں نہیں کروڑوں انسانوں کے لئے رحمت بن جاتا ہے، ایک گندا خیال، ایک فاسد مگر دلفریب

تصور زندگی مدتوں تک زندگی کے چشموں کو مسموم کرسکتا ہے ، ایک خود غرضی ، ایک ہٹ ، ایک کوتاہ اندیشی بسا اوقات قوموں کی قوموں کے لئے زندگی کو عذاب بناسکتی ہے ۔ جس زندگی کا توازن اتنا نازک ہو اس کے مطالبوں سے جامد ذہن عہدہ برآ نہیں ہوسکتے ۔ ماضی منزل نہیں ، رخت سفر فراہم کرنے کا مخزن ہے ۔ بغداد کے کارناموں سے آنکھیں بند کرلینا تو اپنی میراث کو ٹھکرانا ہے ، سفر پر بغیر سامان سفر کے چل کھڑا ہونا ہے ، لیکن سفر بغداد سے بغداد کا نہیں ہے ۔ جو بناناہے وہ وہ نہیں جو بنایا جا چکا ہے ۔ بنانا پھر سے بغداد نہیں ہے ، بغداد جدید بنانا ہے ۔

اس نئی زندگی ، اس نئے آئین ، ان نئے اداروں ، اس نئے تمدن ، اس نئے بغداد کے معمار آپ ہی نوجوان ہونگے ۔ اس تمدن جماعتی کی تعمیر کا ایک دشوار مگر نہایت حکیمانہ مطالبہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ معمار خود اپنی تعمیر بھی کرے ۔ قدرت نے جو صلاحیتیں ، جو قوتیں ، جو جبلتیں ، جو استعدادیں ، جو میلانات ، جو خواہشات اسے ارزانی فرمائی ہیں ان کے بےترتیب انبار میں نظم و ترتیب پیدا کرے ، ان میں یک جہتی اور یک سوئی کی تدبیر کرے ، اور اپنی بےترتیب انفرادیت سے ایک مرتب سیرت بنائے اور اس سیرت کو بالارادہ اقدار عالیہ مطلقہ سے وابستہ کرکے آزاد اخلاقی شخصیت کے مرتبۂ بلند پر پہنچائے ۔ انفرادیت سے سیرت ، سیرت سے شخصیت ، یہ ہے ان معماروں کی تعمیر کا راستہ ۔

ان تصورات کی وضاحت کا یہ وقت نہیں ، صرف اتنا اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سیرت کی تعمیر کے لئے چار عناصر کی بڑی ضرورت ہوتی ہے : ارادے کی قوت کا

ایک کم سے کم درجہ ، اجتہاد فکر کا ایک کم سے کم مرتبہ ، حس جماعتی کی ایک کم سے کم دکاوت ، اثر پذیری کی ایک کم سے کم وسعت ، گہرائی اور پائداری - ان چاروں کے متعلق کچھ کچھ عرض کردوں تو شاید بےسود نہ ہو -

آدمی کے ارادے میں اس کی انفرادیت کی چار صفتیں بروئے کار آتی ہیں ، دو ارادے سے پہلے ، دو ارادے کے بعد - ارادے سے پہلے تو اس کی خود مختاری اور اس کی قوت فیصلہ آشکار ہوتی ہیں ، ارادے کے بعد میں اس کی مضبوطی اور اس کا ثبات - خود مختاری جب ظاہر ہوتی ہے کہ ارادہ خود کیا ہو ، دوسرے نے کرکے ہمارے سر نہ تھوپ دیا ہو ، جن طبائع میں خود اپنے بل پر ارادہ کرنے کی صلاحیت نہ ہو ، جو ہمیشہ کسی اور ہی کا منہ تکتے ہوں ، ان میں بھلا سیرت کی یکسوئی کیسے پیدا ہوسکتی ہے ؟ قوت فیصلہ سے ارادہ بر وقت بن جاتا ہے ، ورنہ اگر فیصلہ میں برابر لیت و لعل ہی ہوتی رہے تو ارادہ کی نوبت ہی نہیں آتی - نیک نیتی تسویف کے چکر سے عمل کے میدان میں نہیں آسکتی اور سیرت کی تعمیر میں یہ تسویف بہت حائل ہوتی ہے -،

دوسری دو صفتیں جن کا ذکر ہوا ارادہ کرچکنے کے بعد اپنا اثر دکھاتی ہیں - مضبوطی سے یہ ہوتا ہے کہ فیصلے کے بعد ارادہ کرنے والا اندرونی کشاکش سے مامون ہوجاتا ہے - ورنہ ہر فیصلے کے بعد نظر ثانی و نظر ثالث کا سلسلہ جاری رہے تو عمل کی نوبت ہی نہیں آتی اور قوت ارادہ بےعملی سے مفلوج ہوکر رہ جاتی ہے - دوسری صفت ، یعنی ثبات قدم ، ارادے کو خارجی رکاوٹوں اور مخالف قوتوں کے اثر سے بچاتی ہے ، ورنہ کتنے نیک ارادے ہیں کہ حالات کے نامساعد

ہونے کی وجہ سے شرمندۂ تکمیل نہیں ہوتے اور عمل کا جامہ پہننے سے پہلے بدل دئے جاتے یا بالکل ترک کردئے جاتے ہیں -

قوت ارادی کی مضبوطی کے کچھ اسباب تو قدرتی ہوتے ہیں ، جن میں تغیر کسی کے بس کی بات نہیں ، لیکن بعض پر مشق اور بصیرت سے اثر بھی ڈالا جاسکتا ہے - چنانچہ ہوشیار معلم اپنے بچوں سے ایسے کام کراتے ہیں جن میں خاطر خواہ نتیجہ نکلنے سے حوصلہ بڑھتا ہے ، یعنی ارادہ کرنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے اور بچہ شوق سے دوسرے مشکل کاموں کا عزم کرسکتا ہے - ارادے کی قوت کے اندازے میں ایک بات نوجوانوں کو خاص طور پر پیش نظر رکھنی چاہئے ، وہ یہ کہ ارادے کی قوت اس کی ابتدائی شدت سے عبارت نہیں ، اس لئے کہ کتنے کام ہیں جو ایک ہی کوشش میں پورے ہوسکیں اور کونسی سرسوں ہے جو ہتھیلی پر جم جاتی ہو - مضبوط ارادہ دراصل شدت اور مدت کا حاصل ضرب ہوتا ہے - ہمارے نوجوانوں کو یہ نکتہ اچھی طرح ذہن نشین کرا لینا چاہئے کہ ہماری قومی زندگی کے تعمیری کام تقریباً سب کے سب بہت دیر طلب اور صبر آزما کام ہیں اور ہماری قومی زندگی کے روگ اکثر و بیشتر ایسے ہیں کہ ان کو دور کرنے میں سالہا سال پتہ مارکر مصروف ہونا ضروری ہے - قومی خدمت کا ارادہ کرنے والے نوجوان اگر فرط جوش میں ان میں سے کسی کو دور کرنے کا قصد کرلیں اور اس گمان میں ہوں کہ بس ایک حملہ میں قلعہ سر ہوجائیگا تو انہیں بڑا دھوکا ہوگا اور عجب نہیں کہ مایوسی قوائے عمل

کو شل کردے اور آئندہ عزم کی راہ میں ایک بڑا سنگ گراں حائل ہوجائے ۔

سیرت کی تعمیر کے لئے دوسری شرط قوت فکر ہے : منطقی طور پر سوچ سکنے کی صلاحیت ، صحیح نتیجہ پر پہنچ سکنے ، نتائج کو پرکھ سکنے کی استعداد ۔ جس کا ذہن صاف نہ ہو اور ٹھیک ٹھیک سوچ سمجھ نہ سکے وہ بھلا عمل میں یکسوئی کیسے پیدا کرے ؟ بس اتفاقی تجربی معلومات اور عادت کی لکڑی کے سہارے چند قدم چل سکتا ہے ، جیسے اندھا ٹٹول ٹٹول کر چلے ، لیکن اس ہر لحظہ متغیر دنیا میں قدم قدم پر غیر متوقع حالات اور غیر معمولی کیفیات سے سابقہ پڑتا ہے ، جسے عقل فیصلہ کرنے میں مدد نہ دے سکے وہ فیصلہ ہی نہیں کرتا اور دعوت عمل کو اس کان سے سن کر اس کان سے نکال دیتا ہے یا بخت و اتفاق کے سہارے ڈگمگاتا آگے بڑھتا ہے ، ایک عمل اور دوسرے عمل میں مطابقت نہیں ہوتی ، ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو دوسرا پیچھے پڑتا ہے ۔ منطقی استدلال اور حکمی فکر کی صلاحیت کسی میں پیدائشی طور پر نہیں ہوتی ، اس کے لئے شعوری مشق کرنی ہوتی ہے ، ارادہ کرکے اس کی عادت ڈالنی ہوتی ہے کہ ہر نتیجے پر جرح کی جائے ، اسے جانچا جائے ، پرکھا جائے ۔ یہی نہیں ، کوشش کرکے ان فطری موانع کو دور کیا جائے جو منطقی فکر کی عادت میں قدم قدم پر حائل ہوتے ہیں ۔ جذبات کے طوفان ، تعجیل کی پھسلن ، نفس کے وسوسے ، خود غرضی کے فریب ، غیر عقلی وابستگیوں کی خیرگی ، تعصبات کے اندھیرے ، اس فکر منطقی کی راہ میں کیا کچھ حائل نہیں ! پھر اگر راستے کے ان جھانکڑوں کو پیہم کوشش سے

دور بھی کردیا تو یہ مشکل سامنے آتی ھے کہ منطقی سوچنے کی کوئی ایسی عام صلاحیت نہیں کہ اسے نشوونما دے لی تو زندگی کے ھر شعبے میں صحیح منطقی نتائج پر پہنچنے کی ضمانت ھوگئی ' بس ھر قضیے پر شبہہ کرنے اور اسے پرکھنے کی عادت راسخ کی جا سکتی ھے - مگر علمی مسائل پر مشق عملی سوالوں کے حل میں معتبر نہیں رھتی ' نظری ورزش ذھنی اخلاق کے میدان میں کام نہیں آتی - اخلاقی مسائل میں منطقی استدلال کی ضرورت ھو تو کچھ اخلاقی تصورات اور اخلاقی اصول بھی تو پہلے سے موجود ھونے چاھئیں - اور اصول ھی کافی نہیں ' ان پر عمل کرنے کا موقع بھی ھونا ضروری ھے - اخلاق کی دنیا میں یہ معلوم ھونے سے کہ نیکی کیا ھے آدمی نیک تو نہیں ھوجاتا ' نیک بننے کے لئے نیکی کرنا بھی تو لازم ھے -

آپ جس زندگی میں قدم رکھ رھے ھیں اس میں منطقی فکر کو فریب دینے والے ھرھر قدم پر ملیں گے - سیاسی اور مذھبی نجات فروشوں کی صدائیں ' وقت کی سہانی راگنیاں ' مرغوب عام ' مقبول عوام سطحی مایلیں ' ناممکن مطالبے ' ضدیں ' ھٹ دھرمیاں ' جماعتی خودغرضیاں ' یہ سب اور نہ جانے اور کیا کیا اور کون کون آپ کو صحیح نتیجوں پر پہنچنے سے روکینگے - آپ کو اگر اپنی سیرات کی تعمیر عزیز ھوگی تو آپ ان کا مقابلہ کرینگے ' ان کو رد کرنے میں جو ذھنی کوفت ھوگی اسے اپنے لئے گوارا بنائینگے ' اپنے فکر کی نگرانی اسی طرح کرینگے جیسے چوروں اور ڈاکوؤں سے کسی متاع عزیز کی ' اور سیرت سازی کی اسی شرط دوم کو پورا کرنے کی کوشش کرینگے - ورنہ شاید آپ اس مشقت سے

تو بچ جائیں جو منطقی فکر کی تربیت میں ضروری ہے ، شاید آپ بہتوں کو خوش بھی رکھ سکیں ، لیکن آپ آپ نہ بن پائینگے ، دوسروں کا عکس رہینگے ، اور انفرادیت سے سیرت ، سیرت سے شخصیت کا سفر منزل سے بہت پہلے ختم ہو جائیگا ۔

سیرت کی تربیت کے لئے تیسری شرط اشیا اور اشخاص سے دوچار ہونے میں ذکاوت حس کا ایک کم سے کم درجہ ہے ۔ یہ نہ ہو تو سیرت کی تربیت بہت دشوار ہوتی ہے ۔ حواس ظاہری کے فعل میں معروف بات ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں ۔ کوئی وہ سب سنتا ہے جس کے لئے دوسروں کے کان بہرے ہوتے ہیں ، کوئی رنگ کے وہ فرق دیکھتا ہے جو دوسروں کی آنکھیں نہیں دیکھتیں ، وہ سونگھتا ہے جو دوسرے نہیں سونگھتے ، وہ مزے چکھ لیتا ہے جو دوسرے نہیں چکھ سکتے ، چھوکر وہ محسوس کرلیتا ہے جو دوسرے محسوس نہیں کرتے ۔ مصور ، ماہر موسیقی ، موتی پرکھنے والے ، جواہرات کے بیوپاری ، چاک پر کمہار ، معمل میں سائنس کے کہنہ مشق محقق ، یہ سب اپنی ذکاوت حس سے دوسرے بنی نوع کو حیرت میں ڈال سکتے ہیں ۔ اسی طرح انسان کا نفس تعلقات انسانی میں بھی ایسی ذکاوت حس کا ثبوت دیتا ہے کہ دوسرے ششدر رہ جاتے ہیں ۔ کچھ انسان حساس ہوتے ہیں کچھ بےحس سے ، کچھ بہت تیز ، کچھ بہت کند ، کچھ ذکی ، کچھ غبی ۔ بعض بہت جلد دوسروں کو سمجھ لیتے ہیں ، آسانی سے ہمدردی کرتے ہیں ، جبلی طور پر دوسرے کا خیال کرتے ہیں ، اشاروں میں مطلب بھانپ جاتے ہیں ، دوسرے کے مافی الضمیر تک آن

کی آن میں پہنچ جاتے ہیں ، بعض اس کے بالکل برعکس ۔ انسانوں اور چیزوں کو برتنے کا موقع ملتا ہے تو یہ صفت آسانی سے نشوونما پاتی ہے ، کتاب کے کیڑے اور خبری علم کے بوجھ سے دبے ہوئے لوگ بسا اوقات اس سے محروم ہوتے ہیں ۔ زندگی کی ناکامیاں ، بچپن میں دل شکستگی ، آلام روزگار کا بوجھ آدمی کو اکثر اس ذکاوت سے محروم کردیتے ہیں ۔ خود غرضی کی شدت ، خود پرستی کی عادت رفتہ رفتہ آدمی کو اس ملکۂ لطیف سے عاری کردیتی ہے ، بے غرض خدمت ، بےلاگ میل جول ، اس کو جلا دیتے ہیں ۔ آدمیوں سے سابقہ میں ، عمل کے متنوع تجربہ میں ، طرح طرح کی صحبتوں میں ، زندگی کی ریل پیل میں یہ ترقی کرتی ہے ، خلوت میں اکثر ٹھٹھر جاتی ہے ، جلوت میں نکھرتی ہے ، تنہائی اسے دباتی ہے ، انجمن اسے ابھارتی ہے ۔ سیرت کی نشوونما میں اس کا بڑا حصہ ہے ۔ جو اس سے محروم ہوتے ہیں وہ زندگی میں کچھ اجنبی اجنبی سے رہتے ہیں اور سیرت کی تعمیر کے ایک اہم عنصر سے کام نہیں لے سکتے ۔

سیرت کی تعمیر میں چوتھی چیز جو مدد دیتی ہے وہ طبیعت کی ہیجان پذیری ہے ، یعنی یہ کہ نفس مشاہدات و افکار و تصورات سے کتنا اثر لیتا ہے اور اسے کتنی دیر تک قائم رکھتا ہے ، ان سے جذبات کی جو لہریں شعور کے دھارے میں اٹھتی ہیں وہ کتنی گہری ہوتی ہیں اور کتنی مدت تک چلتی ہیں ۔ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا یا بہت ہی کم ہوتا ہے ۔ پتھر کو کوئی آدمی کیسے بنادے اور گوبر کا تودہ انسان کے دل کی طرح کیسے دھڑکنے لگے ؟ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جنکی طبیعت میں

آسانی سے ہیجان پیدا ہوجاتا ہے۔ ہوا کا ہر جھونکا یہاں حرکت پیدا کردیتا ہے، لیکن اتنی ہی آسانی سے یہ حرکت سکون میں بدل بھی جاتی ہے۔ ان کی سیرت میں یکسوئی پیدا ہونا دشوار بات ہے۔ ان پر ہر رنگ چڑھ جاتا ہے مگر ذرا سی دھوپ میں یہ رنگ اتر بھی جاتا ہے، یہ ہر تیز رو کے پیچھے چلتے ہیں مگر بس تھوڑی دور، یہ ہر تحریک کے علمبردار بن جاتے ہیں، مگر بس چند دن کو، بہت جلد عاشق ہوجاتے ہیں مگر معشوق کو لباس کی طرح بدلتے رہتے ہیں، زندگی میں کئی بار مذہب بدلتے ہیں، آئے دن ایک سیاسی جماعت کو چھوڑ کر دوسری میں شامل ہوتے ہیں، سماج کو روز ایک نئے ڈھنگ پر چلانے کے در پے ہوتے ہیں، ہر اشتہاری دوا کو آزمانا چاہتے ہیں! بڑے دلچسپ ہوتے ہیں یہ نیک دل، ہلکے ہلکے لوگ، مگر سیرت کی یکسوئی انھیں نصیب نہیں ہوتی۔ سیرت پختہ بنتی ہے ان کی جن کے ذہن میں آکر کوئی نیا خیال جگہ پاتا ہے تو گویا ہمیشہ کو اس میں جا بستا ہے، ان کے وجود کے ریشے ریشے میں جاری و ساری ہوجاتا ہے۔ پھر تو یہ سب نئے خیالوں کو اس خیال کا تابع کرلیتے، اسی کو سب نئے تجربات و واردات کا محور بناتے ہیں، بحر زندگی کی ہر ہوا کو اس بادبان میں بھرکر اپنی سیرت کی کشتی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ یہ خیال ان کا اوڑھنا بچھونا ہوجاتا ہے، اور یہ وابستگی فکر و ضمیر اگر اقدار مطلقہ سے ہو جائے، تو پھر یہ بہ نہایت صداقت سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا سونا جاگنا، مرنا جینا سب کچھ اسی کے لئے ہے۔ جن طبیعتوں کی ہیجان پذیری میں ایسی گہرائی اور ایسی پائداری ہوتی ہے وہ بڑی آسانی سے یکسو سیرت میں بدل جاتی ہیں۔

یکسو سیرت کی یہ چار شرطیں جن کا ذکر میں نے ابھی کیا اگر تعلیم کے زمانہ میں معلم کے پیش نظر ہوں تو وہ مناسب تدبیروں سے ان کی نشوونما کا سامان کرتاھے اور انفرادیت کو دبائے یا مٹائے بغیر اس کے عناصر ترکیبی میں نظم پیدا کرنے کی صورت نکالتا ھے۔ لیکن آپ جو اسوقت میرے مخاطب ھیں، جو اپنی رسمی تعلیم کی تکمیل کے بعد اس کالج سے سند لیکر جارھے ھیں، آپ کے لئے اب یہ معلم کیا کرسکیں گے؟ اب تو یہ سب کچھ آپ کو خود ھی کرنا ھوگا، اپنی تعلیم و تربیت اب کلیۃً اپنے ھاتھ میں لینی ھوگی۔

تعلیم میں بیرونی اور اندرونی تشکیل، حکم اور آزادی، دوسرے کی بتائی راہ پر چلنا اور اپنی کاوش سے خود راہ نکالنا اور اسے طے کرنا، ان دونوں کی اعتباری حدود اور تاثیر کا مسئلہ بڑا اھم اور مشکل مسئلہ ھے، لیکن عمر کی جس منزل میں آپ داخل ھورھے ھیں اس میں خارجی تشکیل کا کام تقریباً ختم ھوچکتا ھے اور داخلی تربیت کا زمانہ آجاتا ھے۔ جوں جوں سیرت اخلاقی بنیادوں پر استوار ھوتی جاتی ھے اسی قدر معلم اور والدین کا کام گھٹتا جاتا ھے اور اپنی تعلیم و تربیت کو اپنے ھاتھوں میں لینے کا زمانہ آجاتاھے۔

اس اپنی تعلیم آپ کے معنی کیا ھیں؟ کیا بس لفظ ھیں کہ بول دئے یا ان کا کوئی مفھوم بھی ھے؟ بس مطالبہ ھے جو کردیا یا اسے پورا کرنے کے لئے عمل پیہم کی شرط ھے؟ اپنی تربیت آپ کرنے کے معنی ھیں اپنی روح کو، کہ پست و بلند، ادنی و اعلی، اسفل و ارفع کی آماجگاہ ھے، نیچے سے اوپر لے جانے کی سعی مسلسل، پست جبلتوں اور محرکوں،

بری عادتوں اور خواهشوں ، غلط افکار اور خیالات کے دلدل سے اپنے کو نکال کر اخلاق حسنہ کی شاهراہ پر ڈالنا ، اپنی انفرادی صلاحیتوں اور میلانوں میں یکسوئی و یکجہتی پیدا کرکے اپنی سیرت کی ساری قوت کو ان اخلاقی معیاروں کا تابع بنانا اور شخصیت اخلاقی کی منزل کی طرف باوجود ناکامیوں اور مایوسیوں کے برابر بڑھے جانا ۔ یہ کام در اصل جہاد زندگی میں ایک سپاهی کا کام ہے ۔ وہ سپاهی جو باطل کی ان قوتوں هی سے برسر پیکار نہیں هوتا جو خارج سے زندگی کو بگاڑنا چاهتی هیں بلکہ باطل کی ان طاقتوں سے بھی جو نفس کے اندر اندر روح کی جڑوں کو گھن کی طرح کھاتی رهتی هیں ، جن کی چھپی هوئی فوج روح کی مملکت کو تاراج کرتی هے اور اخلاق حسنہ کی بستیوں کو اجاڑتی رهتی هے ۔ سچا مجاهد ان سے بھی لڑتا هے ، ان سے بھی ۔ یہ جماعت کی زندگی کو بھی اقدار عالیہ کا خادم بنانا چاهتا هے اور اپنی شخصی صلاحیتوں کو بھی ۔ اس کا ثبات قدم ، اس کی خود اعتمادی ، اس کا خلوص ، اس کا اقدار عالیہ پر ایمان محکم ، اس پیکار حیات میں اس کے هتھیار هوتے هیں ، اور ضبط نفس ، بے غرض خدمت اور اخلاقی جرات اس جہاد میں اس کے رفیق راہ هوتے هیں ۔

زندگی میں هم جس شخص کے متعلق سمجھتے هیں کہ اسے اپنے نفس پر قابو حاصل هے اس کی هم بڑی عزت کرتے هیں ، جس سے معلوم هوتا هے کہ هم اس صفت کی دل سے قدر کرتے هیں ، هوسکے تو اسے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش بھی کریں مگر بس طبیعت ادھر نہیں آتی ! اس صفت اخلاقی کی تیاری اطاعت کی مشق سے هوتی هے ، پہلے بچہ

کی اس اطاعت سے جو وہ مجبوراً کرتا ہے ، پھر بڑے کی اس اطاعت سے جو وہ سمجھ کر کرتا ہے ، ایک کو خارجی اطاعت کہہ سکتے ہیں ، دوسری کو داخلی ۔ پہلی میں خوف کو بہت کچھ دخل ہوتا ہے ، دوسری میں سمجھ اور عقل کو ۔ جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے خوف کا عنصر کم ہوتا جاتا ہے ۔ آپ جو اب زندگی کی کشاکش سے بلاواسطہ دوچار ہونے کے لئے کمربستہ ہورہے ہیں ، آپ کہ گھر اور مدرسہ اور کالج کے اثر سے آزاد ہوکر اپنی تربیت کو آپ سنبھالنے کی منزل میں قدم رکھ چکے ہیں ، آپ کو جاننا چاہئے کہ اگر گھر اور مدرسہ اور کالج نے آپ میں اطاعت داخلی کی بنیادیں استوار نہیں کی ہیں تو آپ کے اس نئے کام کی دشواری ناممکن کی حد تک پہنچ سکتی ہے ۔ اگر آپ کے زاد راہ میں چند اخلاقی اصول بھی نہیں ہیں جو آپ کی عملی زندگی پر اثر انداز ہوں ، اگر آپ کے اندر احساس اقدار ہی پیدا نہیں ہوا ہے ، اگر اخلاقی احکام کی پابندی کو آسان بنانے والی عادتیں آپ میں پڑی ہی نہیں ہیں تو یوں سمجھئے کہ آپ تیراکی کی ابتدائی مشق کے بغیر ہی دریا میں کود رہے ہیں ، اور دریا بھی طوفانی ہے ، قدم قدم پر بھونر ہیں ۔ آپ سابقہ تیاری کے بغیر ایک شریر اور منھ زور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ رہے ہیں ، نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں ! خدا ایسوں کی بھی مدد کرتا ہے اور بسا اوقات یہ بھی ڈوبتے نہیں ، ساحل مراد پر پہنچ جاتے ہیں اور گر کر چور چور نہیں ہوتے بلکہ منزل مقصود پر جااترتے ہیں ۔ اس کا فضل ہے ، جس پر ہوجائے ۔ کبھی کسی کی ایک نظر ، کبھی زندگی کے بےشمار حادثوں

میں سے کوئی حادثہ ، کوئی شدید واردات قلبی ، سابقہ بےتوجہی کی تلافی کردیتے ھیں ، آدمی کو کسی اخلاقی اصول کا سہارا مل جاتا ھے اور وہ اب زیادہ توجہ اور زیادہ خلوص سے اس پر چل کر پہلے سے عادتوں کے نہ پڑنے کی کمی کو جیسے تیسے پورا کرلیتا ھے ۔ لیکن آپ میں سے بہتوں کو آپ کی تعلیم و تربیت نے کچھ نہ کچھ خیالات اور کچھ نہ کچھ عادتیں تو اس زندگی کے دشوار سفر کے لئے ساتھ دی ھی ھوں گی ۔ ان تصورات اخلاقی کو زیادہ وضاحت کے ساتھ سمجھتے جانا ، ان کی حکمت کے علم کے ساتھ ان کی اطاعت کے داخلی میلان کو قوی‌تر کرتے جانا ، یہ اب آپ کا تعلیمی تربیتی کام ھے ، جسے خود آپ کو انجام دینا ھے ۔ اور اس بصیرت اخلاقی کی ترقی کے لئے ضروری ھے کہ آپ میں صداقت ھو ، آپ خود تو اپنے سے جھوٹ نہ بولیں ، خود اپنے کو تو دھوکا نہ دیں ۔ عادتوں کو راسخ کرنے کے لئے ضرورت ھے مشق کی اور مشق کے لئے موقع کی ۔ زندگی کے ھر موڑ پر اس کا موقع ھے ، جو اس سے کام لیتا ھے وہ اپنی عادتیں سنوارتا جاتا ھے ۔ آپ کے نفس کے جو دو حصے ھیں ، ایک جو حیوان کی حیثیت سے پیدایش سے ساتھ ھے ، دوسرا جو انسان کی حیثیت سے ذھنی کاوش کا نتیجہ ھے ، ایک جو طبیعت کا ساتھی ھے ، دوسرا جو اخلاق کا پابند ھے ، ایک جو من‌مانی زندگی چاھتا ھے ، دوسرا جو آزادی سے خوداً اپنے کو احکام اخلاقی میں باندھکر رکھنا چاھتا ھے ، آپ کا سینہ ان دونوں کی کشاکش کا عرصہ کارزار ھے ۔ اس کشاکش میں فتح کس کی ھو ، طبیعت کی یا اخلاق کی ، حیوانی جبلت کی یا انسانی

اقدار عالیہ کی ؟ دوسرے کی فتح کا سامان کرنا اور برابر کرتے رہنا آپ کی اپنی تربیت کا کام ھے -

آپ سے زندگی میں جو کام سر زد ھوں گے ان میں سے بعض تو میکانکی محرکات کے ردعمل کے طور پر ظاھر ھوں گے - ان سے سیرت کی تربیت میں زیادہ مدد نہ ملیگی - تربیت کے لئے سوچنے سمجھنے کی ضرورت ھے ، کچھ تامل درکار ھے - اس میکانکی ردعمل میں اس کا موقع ھی نہیں ھوتا - بعض اعمال ان عادتوں سے پیدا ھوں گے جو پچھلی مشق اور تکرار سے پڑچکی ھیں - یہ بھی حقیقی معنوں میں تربیت کا کام انجام نہ دیں گے - ھاں ، جو اعمال نئے تصورات و افکار سے اخلاقی اقدار اور مطالبات سے پیدا ھونگے وہ اپنی تربیت آپ کرنے میں بڑی اھمیت رکھتے ھیں - یہ نئے افکار و اقدار حکم دیتے ھیں اور حکم جتنا واضح ھوتا ھے تعمیل اتنی ھی سہل ھوتی ھے - مگر خالی حکم کی وضاحت کافی نہیں ھوتی ، قوت ارادی کی مضبوطی بھی درکار ھوتی ھے جو دوسرے پست احکام کو ، خواھشوں اور خود غرضیوں کے وساوس کو ، نفس امارہ کے فریبوں ، لالچوں ، اور طفل تسلیوں کو کہ ھر اخلاقی حکم اور ھر نیک ارادہ کے خلاف فوج در فوج سینۂ انسانی میں ابھرتے ھیں ، پسپا کرسکے - اور باطل کی یہ فوجیں جب پسپائی کے بعد پھر قلب کے کسی گوشہ میں جا چھپیں اور موقع پاکر پھر غفلت میں وار کریں تو ان کو پھر شکست دینا اور دبائے رکھنا اس پر منحصر ھے کہ آپ کے اخلاقی مطالبہ سے جو توانائیاں پیدا ھوئی ھیں وہ کس درجہ کی ھیں ، وقتی ھیں یا پائدار ، آپ کی ارادی توجہ اس پر کہاں تک مرتکز رہ سکتی ھے -

اس دشوار کام میں توجه کو جمانا سہل ہوجاتا ہے اگر آدمی اپنی صلاحیتوں ، اپنی کمزوریوں ، اپنی خوبیوں اور برائیوں سے واقف ہو ، اپنے کو پہچانتا ہو ۔

اور یه اپنی پہچان کیسے پیدا ہوتی ہے ؟ بیٹھے بیٹھے خود بخود اپنے پر منکشف نہیں ہوتی ، نه کوئی آن کر کان میں یه راز بتاجاتا ہے ۔ اس کا پته کام کرنے سے چلتا ہے ، عمل کے میدان میں کودنے سے چلتا ہے ۔ آزادی کے ساتھ صحیح اور غلط دونوں راہوں پر چلنے کا موقع ملنے سے ، زمانه کے نرم و گرم دونوں چکھنے سے ، نیکی کرنے سے اور بدی کرنے سے ، ٹھوکریں کھانے اور ٹھوکر کھاکر سنبھلنے سے ، گناہ سے اور توبه سے چلتا ہے ۔ کامیابیوں سے زیادہ ناکامیاں اس کا سراغ دیتی ہیں ۔ غلطی کا موقع نه پاکر صحیح کام کرتے رہنے والوں کو ، گناہ کا امکان نه پاکر معصومیت پر مجبور نخر کرنے والوں کو اس کا پته نہیں چلتا ۔ اس کا رمزشناس تو وہ ہوتا ہے جو معصیت کی ٹھوکر کھاتا ہے ، گرتا ہے ، مگر گر کر اپنا سر سجدے میں رکھ دیتا ہے ۔ اپنے کو پہچاننے کے لئے ضرورت ہے که آدمی آزاد ہو اور اسے متنوع عمل کا موقع ملے ۔ لیکن آزادی عمل کے بعد بھی اپنی تربیت وہی کرسکتا ہے جس میں صداقت کا جذبه کار فرما ہو ۔ اس کا کہدینا سہل ہے ، کرنا مشکل ۔ آدمی کو شاید کوئی چیز اتنی مرغوب نہیں جتنی اپنے متعلق اچھی باتیں باور کرنا ــ خوشامد کا سارا جادو اسی پر تو مبنی ہے ، اور دوسرے نه کریں تو آدمی خود اپنی خوشامد کرلیتا ہے ، اپنے کو فریب دیتا ہے ، اپنے سے جھوٹ بولتا ہے ۔ جس پر خودفریبی کا یه بھوت مسلط ہو وہ

آزاد عمل کی دنیا میں بھی اپنے کو نہیں پہچان پاتا ۔ اس لئے ہر شخص کا جو اپنی اخلاقی تربیت آپ کرنا چاہتا ہو نہایت اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ اس دشمن سے چوکنا رہے کہ ذرا آنکھ جھپکی اور اس نے وار کیا ۔ اپنے سے اپنے متعلق سچ بولنے کی عادت بڑی قیمتی عادت ہے اور ڈالے سے پڑتی ہے ، آپ ہی آپ نہیں پڑجاتی ۔ بہتیرے تو عمل کے میدان میں ایسے منہمک ہوجاتے ہیں کہ اپنے سے بھی بےخبر رہتے ہیں ۔ یہ کام میں لگ کر کام کے حسن و قبح سے بےنیاز ہوجاتے ہیں ، ان کے لئے شاید یہ خیال کافی ہوتا ہے کہ میرا کام ہے اس لئے اچھا ہی ہوگا ۔ جہاں اپنے کام پر دشمن کی سی تنقیدی نظر نہ رہی وہیں سے آدمی کی ترقی بند ہوجاتی ہے ۔ اپنے کام پر بیگانہ‌وار نظر ڈالنے ، اپنے ارادے اور نیت و خلوص کو پرکھتے رہنے کی عادت شخصیت کی تربیت کے لئے ازبس ضروری ہے ۔ ایسا نہ کرنا غفلت ہے اور شخصیت کی تربیت بیداری چاہتی ہے ۔ وساوس نفس کے لشکر اسی غفلت میں کامیاب شبخون مارتے ہیں اور ہارنے والے کو معرکہ کی خبر بھی نہیں ہوتی ۔ اپنے سے یہ بےخبری اچھی نہیں ۔

آزاد عمل اور اس پر تنقیدی نظر کے مواقع زندگی کے سب ہی شعبوں میں ملتے ہیں مگر جو اپنی سیرت کی تربیت کے کام کو اہم کام جانتا ہے وہ اپنے لئے بےغرض خدمت کے خاص میدان کا متلاشی رہتا ہے ۔ اس میں عمل کے اندر اخلاقی آزادی کا یقین واضح طور پر سامنے رہتا ہے ، مے و انگبین کی لاگ کے بغیر جو کام ہوتا ہے وہ آزاد اخلاقی مطالبہ ہی کا نتیجہ ہوتا ہے ۔ بڑی شخصیتوں کے لئے تو

یہ میدان روز بروز وسیع‌تر ہوتا جاتا ہے ، لیکن معمولی حیثیت کے لوگ بھی اپنی سیرت کی تربیت کے لئے کوئی نہ کوئی کام بےلوث خدمت کا منتخب کرسکتے ہیں ۔ بسا اوقات کسی وقتی جذبہ سے آدمی ایسے کسی کام کی ذمہ‌داری اپنے سر لے لیتا ہے ۔ اس گھڑی کو خوش قسمتی کی گھڑی سمجھنا چاہئے ۔ اس کام کو چاہے چھوٹا سا ہی کام ہو برابر انجام دیتے رہنا اپنی تربیت میں بڑی مدد دیتا ہے ۔ یہ پہلے چھوٹا سا کام ہوتا ہے ، مگر اس پر جمنے سے سیرت میں ایک اعتماد پیدا ہوتا ہے جو اس کے حلقہ عمل کو وسعت دیتا ہے اور بسا اوقات ایک چھوٹے سے بےغرض کام کی پابندی سیرت میں بڑی پختگی پیدا کردیتی ہے اور بڑھ‌کر اور پھیل کر اس کے مختلف پہلوؤں پر چھا جاتی ہے ۔ بدنصیب ہیں وہ جو اس کے فیض سے محروم ہیں ۔

پہلے بیان کرچکا ہوں کہ سیرت کی تربیت کا کام دراصل ایک جنگ ہے جس میں آدمی بعض قوتوں کا ساتھ دیتا ہے ، بعض سے لڑتا ہے ۔ یہ کام مجاہدانہ کام ہے ۔ اس مجاہد کی خصوصی صفت اس کی اخلاقی جرأت ہوتی ہے ۔ جو سیرت بنانا چاہتا ہے اسے اپنے اندر یہ صفت پیدا کرنی چاہئے ۔ اخلاقی جرأت آدمی کو اخلاقی اقدار مطلقہ کا سپاہی بناتی ہے ، اس میں ایک مستقل عزم پیدا کرتی ہے کہ جب اور جہاں یہ اقدار مطلقہ خطرہ میں ہوں ، جب ان کے ساتھی بچھڑ جائیں اور دشمنوں کا نرغہ ہو ، جہاں رسم یا عادت یا تن‌آسانی ان کی ظاہری اطاعت کو بھی بس ایک بےحقیقت ڈھونگ سا بنادیں تو یہ انھیں زندہ کرنے ، انھیں زندہ رکھنے میں اپنی ساری قوت صرف

کردے ۔ جہاں اور جب کبھی ، جی ہاں ، جہاں اور جب کبھی ۔ ہماری تاریخ ایسی اخلاقی جرأت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے ، ہر شریف قوم کی تاریخ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں ۔ ایسا نہ ہو تو قوم کو شرافت کا تمغہ امتیاز ہی کیسے حاصل ہو ؟ ہر وہ نوجوان جو اپنی قوم کے لئے یہ تمغہ حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اپنے اندر یہ مجاہدانہ صفت پیدا کرنے کے لئے بےقرار ہونا چاہئے ، اور اسے پیدا کرنے کے لئے اس کی نشانیاں معلوم ہونی چائیں ۔ اسے جاننا چاہئے کہ اس کی ایک نشانی تو وہ شجاعت ہے جو اپنی آسائش اور زحمت ؛ اپنے سود و زیاں ، اور دوسروں کی واہ واہ یا لعن طعن کا میزانیہ بنائے بغیر اس معرکہ میں ثبات قدم عطا کرتی ہے ۔ دوسری نشانی اس قدر اخلاقی کا پورا یقین ہے جس کے لیے آدمی سینہ سپر ہورہا ہے ؛ اور تیسری نشانی یہ ہے کہ اس قدر کی حفاظت اور حمایت میں اسے اپنی ذمہ‌داری کا پورا احساس ہے ۔ سمجھی بوجھی ذمہ‌داری اور استقلال و پامردی کے ساتھ اس کے لئے جان تک کھپانے کی آمادگی ہو تو جرأت اخلاقی پیدا ہوتی ہے ۔ اس میں نہ غرور کو دخل ہوتا ہے ، نہ جذبات سے مغلوبیت کو ، یہ کھلی آنکھوں دھکتی آگ میں کودتی ہے اور مسکراتی ہوئی سولی پر چڑھتی ہے ۔ یہ کسی وقتی جوش و خروش کے ریلے میں میدان میں نہیں اترتی ، بلکہ عرصہ تک انتظار کی کٹھن گھڑیاں گذارنا بھی جانتی ہے ۔ یہ ہم خیالوں کے مجمعوں میں بڑھ بڑھ کر باتیں نہیں بناتی ، نہ تالیوں اور نعروں اور جیکاروں کی ٹکاری پر چہچہاتی ہے ، یہ ایک لفظ بھی کہتی ہے تو اس کی ذمہ‌داری کا

پورا بوجھ اپنے کندھوں پر محسوس کرتی ھے ، یہ بھڑکتی ھی نہیں ، سلگتی بھی ھے ، اس کی نشانی ھی ھے سمجھی بوجھی ذمہ‌داری اور اس کے پورا کرنے کے لئے سعی پیہم۔ اس سے سیرت اقدار عالیہ کی چاکر بن جاتی ھے اور جو سیرت اپنے کو شعوری طور پر اقدار مطلقہ کا خادم بنائے وہ شخصیت بن جاتی ھے۔ شخصیت کائنات کی شاید سب سے گراں‌بہا متاع ھے۔ اس پر فرشتے رشک کرسکتے ھیں اور خالق کائنات اپنے شاھکار پر ناز کرسکتا ھے۔

میرا پیام آپ کو یہی ھے کہ اپنی سیرت کی تربیت کو اب اپنے ھاتھ میں لیجئے ، ضبط نفس اور بےغرض خدمت سے اس کے عناصر کی پرورش کیجئے ، اچھی سیرت بنائیے اور اسے اقدار عالیہ مطلقہ کا خادم بناکر شخصیت اخلاقی ، یعنی بندۂ مومن اور مرد مجاھد کے مرتبۂ بلند پر پہنچائیے۔ کام بڑا دشوار ھے اور عمر بھر کا کام ھے مگر اسی کام کے کرنے کے لئے ھی تو زندگی عطا ھوئی ھے ؛ یہ ھاتھ پر ھاتھ رکھے بیٹھے رھنے سے کیسے انجام پائیگا ، اس میں تو زندگی ھی کھپانی چاھئے :

جو جان دے کے پائیں تو فوز عظیم ھو
وہ چیز مانگتے ھیں تن آسانیوں میں ھم

تن آسانی چھوڑئیے اور اس کام میں لگ جائیے۔

خدا حافظ۔